© rasailojaraid.com

عصری علمِ کلام

از مولانا یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی لکچرار دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

اس دورِ اضطراب و فتن میں مریضِ علمِ کلام کو صحت و تندرستی سے ہم آغوش کرنے یا اس کے جسدِ قدیم میں تازہ روح پھونکنے کے لئے ایک ایسے مسیحا کی ضرورت ہے جو اپنے قلمِ معجز رقم کے ذریعہ ذہن و دماغ سے ان تمام اعتراضات و شکوک کو محو کردے جن کی وجہ سے اس مفید و راسخ علم کو اہلِ علم نے گوشۂ جمود و خمود میں ڈال دیا ہے۔ سنجیدہ اہلِ علم اور قوم و ملت کا درد رکھنے والے بظاہر اس سے متنفر نظر آتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بازارِ علم کا یہ وہ کھوٹا سکہ ہے جس کا چلن بند ہو چکا ہے۔ اور قافلہ سالارِ علم نے منزل تک سفر کرکے اس کے بے ضرورت اور غیر مفید ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا ہے۔

اس کے سوائے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری مذہبی تاریخ۔ ماضی قریب و بعید میں علم کلام کے جائز و ناجائز۔ مفید و مضر ہونے کے متعلق بحث و نظر سے دوچار ہو چکی ہے اور ماہرینِ علوم و فنون اور رہنمایانِ قوم و ملت کی علمی اور قلمی صحبتیں علمِ کلام قدیم و جدید کی ضرورت و عدمِ ضرورت اور بحث و نظر کی ردّ و قدح سے پُر رونق ہو کر ماند ہو چکی ہیں تو گذشتہ تاریخ کو دہرانا اور سوالات و جوابات کی بازگشت بے سود معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حال اور مستقبل ماضی کا تابع نہیں ہے بلکہ ماضی کے آئینے کے ذریعہ چھپی ہوئی حقیقتوں کے انکشاف کے ساتھ اُلجھے ہوئے مسائل کا حل معلوم کرکے حال و مستقبل کی تعمیر زندہ قوموں کو کامیابی و کامرانی کی ضمانت عطا کرتی ہے۔ کٹھن منزل رہرو کو اکثر تھکا دیتی اور مایوسی عطا کرتی ہے۔ لیکن کبھی پُر عزم مسافر کے لئے منزل کی انہیں سختیوں میں زندگی اور قوت کا وہ نشان ملتا ہے جس کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچنا یقینی ہو جاتا ہے کسی علم کی ضرورت دلائل کی پیداوار نہیں ہوتی بلکہ احتیاج و ضرورت کے بعد قدرتی طور سے دلائل و براہین پیدا ہوتے ہیں۔ قدیم بحث و جدل کی عظام رمیم اور موجودہ سکون و جمود سے قطع نظر کرکے آپ غور کریں اور سوچیں کہ علمِ کلام کی ضرورت پہلے کس وجہ سے ہوئی تھی کیا ہمارے اس زمانے میں اس ضرورت کی وجہ اور اس علم کی احتیاج کے اسباب باقی نہیں رہے۔ اس سوال کا جواب ہی آپ کو علمِ کلام کی بنیادی ضرورت سے آشنا کر سکتا ہے۔ اور بنیادی ضرورت کا وجود ہی اس وقت علمِ کلام کی انتہائی ضرورت کا یقین پیدا کر سکتا ہے۔

انسان کو ہر زمانے میں لباس کی ضرورت ہے۔ ہم جوانی میں بچپن سے زیادہ اور بڑھاپے میں جوانی سے زیادہ لباس کے ضرورتمند ہیں اس پر اصرار کہ جوانی میں بچپن ہی کا لباس پہنیں گے بچپنا ہے اور بڑھاپے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جوانی کے زمانے کا بھڑک دار لباس کم عقلی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ بچپن کے لباس کو لغو اور بے کار اس معنی میں نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے زمانے میں بھی بیکار و لغو تھا یا جوان ہو کر لباس کی وضع قطع اور عمومی شکل و صورت کو لغو کہہ کر ہم اس کی نوعی صورت یا بنیادی کو فراموش نہیں کر سکتے۔ کرتا پاجامہ بہر حال اپنی نوعی صورت و شکل پر رہ کر نشوونما پائے ہوئے جسم کے مطابق بنایا جاتا ہے۔ کسی مکان کی بنیاد (فونڈیشن) پر ہم مکان بناتے ہیں۔ ضرورت کے بڑھنے گھٹنے یا نئی احتیاج پیدا ہونے کے وقت ہم اس مکان کی بنیاد نہیں اکھیڑ دیتے بلکہ اس میں توسیع یا ترمیم و اضافہ کر کے راحت و آرام مہیا کرتے اور احتیاج کو دور کرتے ہیں۔ بے شک کبھی ان تمام بنیادوں سے قطع نظر کر کے ایک نئے فونڈیشن پر نئی طرز کا مکان بھی بناتے ہیں جبکہ ہماری مطلوبہ ضرورتوں کے دور کرنے میں قدیم بنیادیں آڑے آرہی ہوں اور کوئی صورت ایسی ترمیم و اصلاح یا توسیع کی باقی نہ رہی ہو کہ ان بنیادوں کو کام میں لا سکیں لیکن جب تک قدیم بنیادوں کا بے سود ہی نہیں بلکہ دشمنِ مقصود ہونا متیقن نہ ہو جائے اس وقت تک ایسا کرنا وقت و محنت ہی کی بربادی نہیں بلکہ مال و جائیداد کی تباہی کے ساتھ حماقت بھی ہے۔

انسانی ضرورتیں انسانیت کے ساتھ ساتھ باقی رہتی ہیں۔ ہاں زمانے اور حالات کے لحاظ سے ان کی صورت و کیفیت میں ضرور فرق ہو جاتا ہے۔ زندگی اور تمدن کی تمام احتیاجات کا یہی حال ہے آئیے ہم اس روشنی میں اس امر پر غور کریں کہ آخر علمِ کلام کی ضرورت و احتیاج کا سرچشمہ کہاں اور کیا ہے۔

علمِ کلام کی احتیاج کا سرچشمہ

یہ ایک سادہ اور بدیہی حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیم معقول اور اقتضاءِ فطرت کے مطابق ہے۔ لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اصول مذہب سے عقل کے تعلق کو منقطع کر دینے کے حامی ہیں۔ ان کے نزدیک وہ علم جو اصول اسلام کے لئے دلائلِ عقلیہ پیش کرے، یا شبہات و شکوک کو عقلی طریقہ سے دور کرے کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ ان میں کچھ تو وہ لوگ ہیں جن کو تصوف سے سابقہ ہے اور یہ تصور جمائے ہوئے ہیں کہ علم کلام محض لفاظیاں یا عقل کے تیر چلانے کا نام ہے۔ نیز دلائلِ عقلیہ سے کسی قسم کا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ صرف متصوفین ہی مذہب کے حقیقی سائنسداں ہیں جو حضورِ قلب سے اصل حقیقت کو معلوم کر سکتے ہیں، اور علم کلام کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور کچھ ایسے ہیں جو علم کلام کی ضرورت کو تو محسوس کرتے ہیں لیکن قدیم علمِ کلام کی جگہ ایسے نئے علمِ کلام کے قائل ہیں جس کی بنیاد اور اصول قدیم علمِ کلام سے بالکل الگ ہو۔ ان کے نزدیک قدیم علمِ کلام یکسر بیکار اور ناقابلِ التفات ہے۔ کیونکہ شکوک و شبہات پہلے فلسفۂ یونان کی راہ سے آئے تھے قدیم علمِ کلام نے اسی راہ سے جوابات دیئے۔ حالیہ شکوک اور اعتراضات علوم جدید کے ذریعے آتے ہیں اور اب اسی راہ کی جوابات کی ضرورت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ علومِ جدیدہ بالخصوص سائنس کی بنیاد تجربہ پر ہے اور تجربہ کا رد تجربہ ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ محض ذہنی اور عقلی دلائل سے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں علم کلام کے جواز و عدم جواز کی بحث تو اسی وقت پیدا ہو چکی تھی جب قدیم زمانے میں مسلمانوں نے اس کی بنیاد رکھی اور اس پر جدید تعمیر کی افراط و تفریط نے فقہا و محدثین اور معتزلہ کو دست بگریباں کر دیا تھا۔ متکلمین نے اعتدال پیدا کیا۔ غزالی اور رازی نے اعتزال سے پاک کر کے اس کی جان بچالی اور صحیح ترتیب کر کے بقائے دوام عطا کیا تھا۔

لیکن خود ہندوستان میں جدید علم کلام کی ضرورت پر بحث جاری رہی ۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبلی ۔ سرسید احمد خاں کے خیالات پڑھ کر اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ علم کلام جدید کی ضرورت اور عدم ضرورت پر کافی لکھا گیا ہے ۔ مولانا ابوالکلام آزاد تذکرہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں ۔

"ایک بزرگ کہ درس و نظر میں معقولات کے لحاظ سے آج کل مخصوص امتیازی درجہ رکھتے ہیں ایک دن اسی لب و لہجہ میں جو ان بزرگوں کے لئے مخصوص ہے۔ آج کل کے انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص کی مذہب سے بے خبری اور الحاد و بے خبری کی شکایت کرنے لگے میں نے کہا یہ شکایت کم از کم آپ لوگوں کی زبانی تو اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ میرے خیال میں تو آپ اور وہ دونوں ایک ہی تنور کے سوختہ اور ایک ہی مشرب و مسلک کے دو مختلف مظاہر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ کی قدامت و اولیت کی رعایت کرتے ہوئے ان کو آپ کا چھوٹا بھائی کہا جائے۔ آپ یونانیوں کے حلقہ بگوش وہ یورپ کے پرستار۔ قرآن و سنت سے آپ بھی دور و مہجور، وہ بھی بے خبر و نفور بلکہ سچ پوچھئے تو ایک لحاظ سے آپ پہ وہ فضیلت رکھتے ہیں۔ آپ کے ائمہ و پیشوا فلاسفۂ یونان ہیں جن کا قدم ذہنیات ضالہ سے آگے نہ بڑھا۔ ان کے معبودان علم فلاسفۂ یورپ ہیں جنھوں نے بہر حال دنیا کے آگے تجربہ و استقرا اور کشفیاتِ علمیہ کا دروازہ کھولا۔ ان میں کا ایک لڑکا جو اسکول کی پانچویں کلاس میں سائنس اور طبیعات کی ریڈر پڑھتا ہے۔ شاید آپ کے مدارس کے ان منتہیوں سے زیادہ صحیح راہ پر ہے جو صدرا اور شمس بازغہ سے بھی آگے پڑھ چکے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ صاحبوں میں مترجمین اور ناقلین عرب تھے جنھوں نے یونانیات کو عربی کا جامہ پہنا کر مقدس بنایا تھا اور معتزلہ و اخوان الصفا و غیرہم پیدا ہو گئے جنھوں نے مصطلحات و عبائر یونانیات کو علوم دینیہ میں امتزاج و خلطِ کیمیائی کے ساتھ ملا دیا۔ لیکن ان بیچاروں کو یہ اتفاقات اب تک نصیب نہیں ہوئے۔ معاملہ سرسید اور ان کے خوشہ چینانِ غیر معترف، و مقلدین غیر مقر، یا مجتہدین فی المذہب سے آگے نہیں بڑھا۔ اگر ان میں بھی کوئی اس ڈھب کا نکل آتا۔ تو آپ دیکھتے کہ ان کے مباحث خاصہ آپ کے امور عامہ سے تو ضرور بازی لیجاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کم از کم آپ حضرات کو تو اس معاملہ میں خاموش ہی رہنا چاہیئے۔

محتسب چوں خود خورد معذور دارد مست را

لیکن اس تحریر میں کچھ آگے چل کر مولانا آزاد کا ارشاد ہے کہ اور یہ جو کچھ کہا تو معلوم رہے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنھوں نے معقولیت قدیمہ کے یکقلم بے کار ہونے کا شور مچا رکھا ہے اور اصلاح نصاب تعلیم کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اس تمام دفتر کو بالکل غرق مئ ناب کردیا جائے۔ کیونکہ اس عہد کے ہر کلمہ اصلاح کی طرح اس کلمے میں بھی سچ کے ساتھ جھوٹ مل گیا ہے اور اس بارے میں میرا خیال دوسرا ہے

مولانا شبلی اپنی کتاب علم کلام حصہ اول میں لکھتے ہیں۔

"لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں (یعنی قدیم علم کلام بیکار ہے) علم کلام کا جو حصہ آج بیکار ہے پہلے بھی ناکافی تھا اور جو حصہ اسوقت بکار آمد تھا آج بھی ہے اور ہمیشہ رہیگا کیونکہ کسی شے کی صحت اور واقعیت زمانے کے انقلاب و امتداد سے نہیں بدلتی"

بہرکیف اس دور کے مبصران علم بھی علم کلام قدیم کو بالکل بے سود تو تصور نہیں کرتے البتہ قدیم علم کلام میں ترمیم و توسیع چاہتے ہیں۔

مخالفین علم کلام کو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ وہ امور ذیل کو مخلوط کردیتے ہیں۔

(۱) اسلامی مسلمہ اصول و عقائد کو عقل کے مطابق ثابت کرنا۔

(۲) عمومی شکل میں ان تمام اعتراضات کے جوابات دینا جو غیر مسلموں کی جانب سے کئے جاتے ہیں۔

(۳) حقائق اسلام اور اسرار دین کے چہرے سے نقاب اٹھانا اور رازدار دین بنادینا۔

علم کلام کا موضوع اول و دوم ہے تیسری چیز یعنی رازہائے سربستہ سے واقفیت اور کنہ تک پہنچ جانا نہ یہ علم کلام کا دعویٰ ہے اور نہ اس کا موضوع۔

علم کلام کی مخالفت میں کبھی آپ سنجیدہ مجلسوں میں یہ شعر سنیں گے۔

گر باستدلال کار دیں بدے
فخر رازی رازدار دیں بدے

لیکن افسوس کہ اس شعر کے بے سمجھے پڑھنے والوں نے اتنا سمجھنے کی زحمت نہ کی کہ اس شعر سے زیادہ سے زیادہ یہی معلوم ہوا کہ رازہائے حقیقت تک رسائی دلائل عقلیہ کے بس کی بات نہیں۔ یا کار دین استدلال پر موقوف نہیں ہے لیکن اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ اس علم کی ضرورت نہیں ہے۔ یا اس کی ضرورت گھٹ گئی ہے۔ کیا تمام مسلمانوں کی واحد ضرورت یہی ہے کہ وہ سب کے سب رازدار دین بن جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے کم اور کوئی احتیاج نہیں ہے۔ اگر ہم آپ کے احترام کی وجہ سے تسلیم یا فرض بھی کر لیں تو کیا اسلام کی اہم ترین ضرورت تبلیغ اسلام نہیں ہے۔ کیا یہ راستہ بغیر دلائل عقلیہ طے ہو سکتا ہے۔

اول تو سائنس اور تصوف دونوں ہی حقائق تک پہنچ جانے کے مدعی نہیں ہیں اور نہ اس دعوی پر قطعی اور یقینی دلیل قائم ہے۔ اس کے سوا اگر آپ غائر نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے کہ سائنس اور تصوف دونوں ہی تجربے اور مشاہدے کے باوجود عقلی دلائل سے مستغنی نہیں ہیں۔ قدم قدم پر وہاں بھی اسی عقل سے مدد لی جاتی ہے جس کو بعض بے بصر لوگ بے ضرورت خیال کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ علم کلام کی بنیاد جن مسلمہ اصول پر قائم ہے یعنی اسلامی عقائد و تعلیمات معقول اور فطری ہیں۔ یہ اصول کبھی فراموش نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اثبات مدعی کے طریقوں میں تبدیلی اور تجدید ہوتی رہے اور یہی تجدید قدیم و جدید علم کلام میں امتیاز پیدا کرتی ہے لیکن اس میں بنیادی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اسی بنیاد پر طریقہ تفہیم اور اسلوب تعقل میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ عالمگیر اور دائمی مذہب کے لئے اس قسم کا لوچ ضروری تھا۔ چنانچہ قرآن کریم نے توحید، حشر و نشر کو جن متنوع طریقوں سے سمجھایا ہے وہ خود اس پر دال ہیں کہ مذہب اسلام صرف فلسفیوں کا مذہب نہیں بلکہ تمام نبی نوع انسان کے لئے آیا ہے۔ ہر درجے اور طریقے کا انسان اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے موافق جدا گانہ راہوں سے سمجھ سکتا ہے اور یہ تفہیم کے مختلف اسلوب آپس میں ایک دوسرے کی تردید نہیں کرتے بلکہ ایک ہی بنیاد اور اصول کی تائید کرتے ہیں۔

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نوعِ انسانی کا آخری اور مکمل مذہب ہے اور اب قیامت تک کوئی دوسرا مذہب نہ آئیگا یہ خود مذہبِ اسلام کا دعویٰ بھی ہے اور واقعہ بھی لیکن سوال یہ ہے کہ تمام بنی نوع کو تبلیغ کیونکر ہو۔ امت مسلمہ کے علمار کرام اور مشائخین عظام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کی تبلیغ کریں اور جو غلط شکوک و شبہات غیر مسلموں میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کو دور کریں یہی وجہ ہے کہ ہارون الرشید کے والد خلیفہ مہدی نے سب سے پہلے علما اسلام کو حکم دیا تھا کہ مذہب اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے جوابات کیلئے کتابیں لکھی جائیں۔

مروج الذہب مسعودی میں ہے۔

وکان المھدی اول من امر الجدلیین	سب سے پہلے مہدی نے علمار متکلمین کو جو بحث د
من اهل البحث من المتکلمین بتصنیف	مناظرہ مخالفین سے کرتے تھے حکم دیا کہ ملحدین
الکتاب علی رد الملحدین۔	کی کتابوں کا جواب لکھا جائے۔

پھر جب کسی علمار کرام نے اس قسم کی سعی کی بہت سے غیر مسلم مسلمان ہو گئے اور غیر قوموں کو اسلامی تعلیم کو سمجھنے کا موقع ملا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابنِ خلکان لکھتے ہیں "ایک مرتبہ مجوسیوں کی ایک جماعت ابوالہذیل سے مباحثہ کرنے کیلئے آئی تو ابوالہذیل نے سب کو لاجواب کردیا۔ ان میں کا ایک شخص میلاس تو اسی وقت دائرہ اسلام میں شامل ہوگیا ان کے ہاتھ پر تین ہزار اشخاص مسلمان ہوئے"۔

مولانا شبلی علمِ کلام حصہ اول میں لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے۔ سندھ کے راجہ نے ہارون الرشید کو ایک خط لکھا کہ مسلمانوں نے اپنا مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا ہے اگر اسلام دلائل و براہین سے ثابت ہو سکتا ہے تو آپ میرے پاس کسی عالم کو روانہ فرمائیں وہ مجھے قائل کردے گا تو میں مسلمان ہوجاؤں گا۔

علماء کرام کا یہ فرض ہے کہ ایک طرف وہ غیر مسلموں کو اسلامی دائرہ میں لانے کی سعی کریں اور دوسری طرف جن کو اسرارِ دین اور مذہب کی حکمتوں کا علم نہیں ان کو اس نعمتِ عظمیٰ سے آشنا بنائیں تاکہ غیر مسلم میں ایمان پیدا ہو اور مسلمان مومن بنیں جن کا ایمان صرف تقلید تھا وہ بذاتِ خود اس امر کا بھی ایقان و اطمینان حاصل کرلیں کہ اسلام مذہب حق ہے اور نجاتِ نوعِ انسانی اسی پر منحصر ہے۔ افہام و تفہیم رفع شکوک اور ردّ اعتراضات کا نام لیتے ہی علمِ کلام کا تصور پیدا ہوجاتا ہے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

کل من سلمت فطرتہ علم ان الکلام لیس الا تقریر ھذہ الدلائل ودفع الاسئلۃ والمعارضات عنھا۔	ہر سلیم الفطرت انسان جانتا ہے کہ علمِ کلام ان دلائل کے ثبوت اور شکوک و شبہات کے دور کرنے ہی کا نام ہے۔
وانت لو فتشت علم الکلام لم تجد فیہ الا تقریر ھذہ الدلائل والذبّ عنھا و دفع المطاعن والشبہات القادحۃ فیھا۔	اگر آپ غور و تامل کریں تو معلوم ہوجائے کہ علمِ کلام میں دلائلِ حق کو بیان کیا جاتا ہے اور ان شکوک و شبہات کو رد کیا جاتا ہے جو دلائل کو مجروح کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کے پاس سوائے عقل کی روشنی کے اور کیا ہے جس کے ذریعہ دوسروں کو قائل کرسکے یا غیروں کو مطمئن بناسکے۔

عارف اسرارِ شریعت متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تقریر دلپذیر میں فرماتے ہیں۔

(۱) "جوہرِ عقل و دانش جوہرِ انسان کو کم و بیش عنایت ہوا ہے اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے حق و باطل کو پہچانیں اور نیک و بد کو جانیں"۔

(۲) چاند سورج میں اگر نورِ شعاع ہے تو انسان میں نورِ عقل ہے نورِ شعاع سے اگر

© rasailojaraid.com

زمین و آسمان منور ہوتا ہے تو نورِ عقل سے کون و مکان زمین و زمان منور ہوتا ہے۔ پھر وہ (نور شعاع) اگر صورت دکھاتا ہے تو یہ (نورِ عقل) حقیقت کو کھولتا ہے۔"

حضرت عبد الرحمٰنؓ کے صاحبزادے سلمہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔ ابو سعید کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ تعالیٰ لما خلق العقل فقال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر فادبر ثم قال لہ اقعد فقعد فقال اللہ تعالیٰ طوبیٰ لمن رزقتک ایاہ بک اعطی وبک اٰخذ وبک اعبد وبک اثیب وبک اعاقب۔

جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا تو اس سے کہا آگے بڑھ وہ آگے بڑھی پھر عقل سے فرمایا پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹی پھر عقل سے فرمایا بیٹھ وہ بیٹھی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اس کے لئے خوشخبری ہو جسکو میں نے تجھے عطا کیا تیری ہی وجہ سے میں عطا کرونگا۔ تیری ہی وجہ سے مواخذہ کرونگا۔ تیری ہی وجہ سے میں پوجا جاؤنگا۔ تیری ہی وجہ سے میں ثواب دونگا اور تیری ہی وجہ سے میں عذاب دونگا۔

دوسری روایت میں ہے۔

لما خلق اللہ تعالیٰ العقل فقال لہ اقعد فقعد ثم قال لہ قم فقام ثم قال لہ ادبر فادبر ثم قال لہ تکلم فتکلم ثم قال لہ ابصر فابصر ثم قال لہ اسمع فسمع۔ قال وعزتی وجلالی وعظمتی ما خلقت خلقا ھو اکرم منک بک اعبد وبک اعرف وبک احمد وبک اٰخذ وبک اعطی وبک اعاقب وبک اثیب۔

جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا تو کہا بیٹھ وہ بیٹھی پھر اس سے فرمایا کھڑی ہو وہ کھڑی ہو گئی پھر اس سے کہا پلٹ وہ پلٹی پھر اس سے فرمایا بات کر وہ بولی پھر اس سے کہا دیکھ، اس نے دیکھا پھر اس سے فرمایا سن۔ اس نے سُنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم میری عزت و عظمت و جلال کی کہ میں نے تجھ سے زیادہ مرتبہ کی کوئی چیز پیدا نہیں کی تیری وجہ سے میں عبادت کیا جاؤں گا۔ جانا جاؤں گا۔ تعریف کیا جاؤں گا۔ مواخذہ کرونگا۔ انعام دونگا۔ عذاب دونگا۔ ثواب دونگا۔

قال بعض الفقھاء نحن لا نقول بان العقل جوھر او عرض لکن العقل سبب و اٰلۃ لحصول المعرفۃ ودرک الاشیاء۔

بعض فقہاء نے فرمایا ہم یہ نہیں کہتے کہ عقل جوہر ہے یا عرض ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ عقل معرفت کے حصول کا سبب اور ادراکِ اشیاء کا آلہ ہے۔

(تمہید۔ ابو الشکور سالمی)

© rasailojaraid.com

اس سے انکار نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی شبہ ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات نیز خود ان کا نمونۂ عمل یقیناً تبلیغ کے راستے میں غیروں اور اپنوں دونوں کے لئے اطمینان و ایمان پیدا کرنے والا ہے لیکن اول تو اس دور کی طرح ہمیشہ ایسے نمونۂ عمل شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں اور سواد اعظم کی رہنمائی ان پر موقوف کر دینا۔ خلاف مصلحت و عقل ہے۔ دوسرے خود کرامات اور روحانی اثرات اجتماعی حیثیت سے مفید نہیں۔ کثرت سے انسانی طبائع انفرادی مختص طبیعتوں کے لحاظ سے آزادانہ عقل سے پرکھ کر کسی امر کی صحت و واقعیت کا علم حاصل کرنے پر مفطور ہیں۔ نیز انسانی طبائع کا انفرادی اختلاف ہر ایک کی ہدایت کے راستے بھی مختلف قرار دیتا ہے۔

الغرض نوعی حیثیت سے انسان عقل اور دلائل ہی سے مطمئن ہو سکتا ہے اس لئے ہر زمانے میں علم کلام کی ضرورت ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ دورِ حاضر میں عقل و آزادیِ خیال کارفرما ہے۔ اولیاء کرام صحیح معنی میں شاذ و نادر ہیں۔ بالخصوص ایسے اولیاء اللہ جن کا تصوف غیر مسلموں کو مسلم اور مسلمانوں کو مومنِ کامل بنا دے کس قدر ہیں؟ آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں۔ غیر مسلموں کو اسلام سے مزید برگشتہ بنا دینے والے اور مسلمانوں کو کافر قرار دینے والوں کا راج ہے۔ در اصل ہم اپنی اس بے راہ روی اور غفلت کے پردے میں تبلیغ اسلام کے فرض سے روگردانی کر کے علمِ کلام کی اہمیت کو گھٹانے کے عادی ہو گئے ہیں۔

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ایک منزل ایسی ہے جہاں عقل و دلائل ختم ہو جاتے ہیں اس جگہ براہین سے اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ تب بھی یہ منزل بدون منزلِ عقل سے گزرے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ ایک دم اچک کر آسمان پر پہنچنا چاہیں ناممکن ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی میں مثالوں اور نظائر کے ذریعے عقل سے اپیل نہیں تو اور کیا ہے۔ اُلجھے ہوئے اسلامی مسائل کو عقل ہی کے ذریعے تو حل کیا گیا ہے۔ توحید و نبوت کو آپ کس طرح سمجھتے ہیں؟ خود فیصلہ فرمائیں۔ بیشک صرف عقل کافی نہیں ہے الہام وحی کی بنیادی ضرورت مسلّم ہے۔ لیکن الہام وحی کے نور مسائل و اصول کو عقل سے سمجھنے کی سعی شجرِ ممنوعہ نہیں ہے بلکہ عین تعلیم اسلامی ہے۔

اگر شاذ و نادر مسائل اسلام کو آپ عقل اور دلائل سے مستثنیٰ بھی کر دیں تب بھی کیا اکثر اصولِ اسلام عقلِ انسانی کے ذریعے نہیں سمجھے جا سکتے۔ جن چیزوں میں عقل کے دخل کو تم گناہ تصور کرتے ہو کیا ان کے مبادی اور مقدمات جن کے بعد تم کسی نتیجے پر پہنچتے ہو بدون عقل اور دلائل عقل کے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ تم اگر منطق و کلام کی اصطلاحات سے پرہیز کرو تو کیا غیر شعوری طور سے تم اور تمہارا دماغ ذہن و عقل اس کے بنائے ہوئے معیاروں کے ذریعے نتائج اخذ نہیں کرتا۔

اہل علم و فن نے اس کے سوا کیا کیا ہے کہ انھیں چیزوں کے نام رکھ دیئے ہیں۔ ان کی تقسیم و تشریح کر دی ہے۔ تاکہ زیادہ وضاحت اور اطمینان سے انسان کام لے سکے اور غلطیوں سے بچ سکے ورنہ عقل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکر، نظر، کلام، منطق، فطرتِ انسانی میں داخل ہیں۔ افسوس کہ ہم دلائلِ عقلیہ یا عقل سے کام لینے کو عبدیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ فنِ تصوف اور اہل اللہ کے طریقوں کے مغائر تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ خود عبادت۔ عبدیت تصوف سب میں ہم کو قدم قدم پر عقل ہی کے ذریعہ دلائل اخذ کر کے غیر شعوری اور غیر اصطلاحی طریقوں پر دن رات کام کرنا ہوتا ہے۔ پھر یہ کیا ہے کہ تم نے علمِ دین اور علمِ کلام میں تضاد ٹھیرا لیا ہے۔ ہم کو اپنے خیالات کی دنیا کو از سرِ نو جگانے اور اپنے تصورات پر نظرِ ثانی کرنے کی زحمت گوارا کرنی چاہیے۔

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔

ان عنیتم ان الصحابۃ لم یستعملوا الفاظ المتکلمین فسلم لکنہ لا یلزم منہ القدح فی الفقہ البتۃ وان عنیتم انہم ما عرفوا اللہ تعالیٰ ورسولہ بالدلیل۔ فبئس ما قلتم۔	اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ صحابہ نے علماء علم کلام کے اصطلاحی الفاظ استعمال نہیں کئے تو ہم مانتے ہیں لیکن محض اصطلاحی الفاظ استعمال نہ کرنے سے اسی طرح علم کلام ناجائز نہیں ہو سکتا جس طرح مثلاً فقہ کے اصطلاحی الفاظ بھی صحابہ نے استعمال نہیں کئے تو اس کی وجہ سے علم فقہ کو رد نہیں کیا جا سکتا اور اگر تمہاری مراد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے دلیل (بے سمجھے) مان لیا تھا تو یہ ایک بہتان ہے۔

نیز

أفتریٰ ان الکلام یذم لاشتمالہ علیٰ ھذہ الادلۃ التی ذکرھا اللہ اولاشتمالہ علی دفع المطاعن والقوادح عن ھذہ الأدلۃ۔	علمِ کلام بڑا علم ہے ایسا کہنا ایک بہتان ہے کیونکہ علمِ کلام ان دلائل و براہین پر مشتمل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرما لیا ہے اور علم کلام ان اعتراضات کی تردید کرتا ہے جن سے اسلامی اصول کو مجروح کیا جاتا ہے۔

آخر میں یوں فیصلہ فرماتے ہیں۔

ما أریٰ ان عاقلاً مسلماً یقول ذلک ویرضیٰ بہ۔	میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عقلمند مسلمان اس علم کو بُرا کہنے پر راضی ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ علمِ کلام چونکہ خالص یونانیات اور مذہبیات عقلی سے مخلوط ہو گیا۔ اس لئے محدثین اور فقہا، جو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے مسائل کو دیکھنے کے عادی تھے۔ اس علم سے بدظن ہو گئے۔ اور جب عقل و نقل میں جنگ چھڑ گئی تو ہر جماعت کے انتہا پسند اپنی اپنی صفوں کو سیدھا کر کے برسرِ پیکار ہو گئے۔ ایسی صورت میں اعتدال باقی نہ رہا۔ اور اس عقل و نقل کی جنگ میں ہر دو جانب سے اپنے اپنے سرمایۂ علم کو ایک دوسرے کی تردید بلکہ مٹانے کی سعی میں صرف کرنے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل کے انتہا پسند معتزلہ کی صورت میں نمودار ہوئے اور نقل کے علمبرداروں کو ان کے زندقہ اور الحاد کا فتویٰ صادر کرنا پڑا۔ ایک قلیل جماعت ایسی بھی تھی جنھوں نے جنگ کے زمانہ میں بھی فکر و نظر سے کام لیکر اعتدال پیدا کرنے کی سعی کی اور اختلافات کی اس ہماہمی میں اصل حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ دونوں جانب کے انتہا پسندوں کے رہنما تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ کو بعض علماء سلف کے ان بیانات کے متعلق جن سے علمِ کلام والوں کی کھلی تردید ہوتی ہے یہ راز فاش کرنا پڑا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

واما تشدید السلف علی الکلام فھو محمول علی اھل البدعۃ۔	لیکن سلف کی علمِ کلام کی مخالفت میں شدت درحقیقت اہل بدعت کے لئے ہے۔

اہل بدعت سے مراد وہی لوگ ہیں جنھوں نے اعتدال اور حقیقت سے ہٹ کر علمِ کلام کے مضامین میں یونانیت کو دینیات پر غلبہ دیا تھا۔

اس کے سوا علمِ کلام سے مخالفت کی بڑی وجہ ہمارے جدید حالات و ضروریات کا اقتضا بھی ہے چنانچہ علمِ کلام کے ذکر کے ساتھ ہی ہمارا ذہن قدیم علمِ کلام اور اس کی خصوصیات کی طرف ملتفت ہو جاتا ہے فقہاء و محدثین کا خلاف متکلمین اسلام اور معتزلہ کی جنگ و جدل۔ روح اسلام پر خالص یونانیت کا تغلب و تصرف۔ ذات و صفاتِ خداوندی کے متعلق لفظی اور عقلی چہ میگوئیاں شرح مقاصد شرح مواقف امور عامہ خیالی جیسی سخت خشک درسی کتب کا پیچیدہ طرز بیان وغیرہ سامنے آجاتا ہے اس تصور کے بعد جب ہم ایک لمحے کے لئے اپنی عصری مذہبی ضرورتوں اور وقتی احتیاج کا خیال کرتے ہیں۔ نیز موجودہ زمانے کے بدلے ہوئے رنگ نئے طرز درس۔ افہام و تفہیم کے جدید سلیس اور آسان طریقوں پر غائر نظر ڈالتے ہیں۔ تو فوراً فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ علم وقتی ضرورت کے تحت دنیا میں آیا تھا اور اب جبکہ ماضی کے نشانات کے ساتھ ساتھ وہ ضرورتیں اور احتیاجات بھی فنا ہو گئیں تو اس علم کا جنازہ بھی نکل گیا ہے۔ ہماری نسلوں کے پاس نہ اب اتنا وقت ہے کہ موجودہ ضروریاتِ زندگی کے ساتھ ان بے کار بحثوں کی سخت پیچیدہ کتابوں کو مغز پاشی کر کے زندہ کریں اور نہ موجودہ حالات میں اس کی ضرورت۔ اس لئے ہم بہت جلد اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ علمِ کلام کم از کم اس زمانے میں فضول ہے۔ اس علم کی جگہ دوسرے کار آمد زندہ علوم کو پڑھایا جائے تو بہتر ہے۔ تاکہ ہم علوم جدیدہ میں کمال حاصل کر کے زندہ قوموں کی صفوں میں کھڑے ہو سکیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جدید علمِ کلام کی ضرورت یقینی ہے اور قدیم علم کلام میں ترمیم و اضافہ لابدی اور سنجیدہ علماء اس پر متفق ہیں کہ ایک ایسے علم کی ضرورت ہے جو جدید طریقے پر نئے نئے اعتراضات کے جوابات دے سکے۔ اور جدید غلط فہمیوں کو اسلامی تعلیم کے چہرے سے دور کر سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقلی طریقے پر اصولِ اسلام کو سمجھائے۔ قدیم علم کلام کی پیچیدہ در پیچیدہ بحثوں کی جگہ سلیس اور علمی نصاب مرتب ہو۔ ان دور از کار بحثوں کو خارج کرکے جو اس زمانے میں بجائے مفید ہونے کے مضر ہیں۔ ان مضامین کو شامل کیا جائے جن کی اس زمانے میں ہم کو ضرورت ہے۔ غرض قدیم اور جدید مفید علم کلام کی بحثوں کو ترتیب دے کر عصری علم کلام کو مدون کیا جائے۔

علمِ کلام کی تدوین میں پہلے سے ایک نقص چلا آتا ہے وہ یہ کہ انھوں نے مسلمانوں کیلئے علمِ کلام اور غیر مسلموں کے لئے علم کلام کو الگ الگ نہیں کیا۔ اس اصول پر بعض قدیم مصنفین نے تصنیفات کی تھیں۔ چنانچہ یعقوب کندی نے پارسیوں کے رد میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے نصاریٰ اور یہودیوں کی تردید میں رسالے لکھے۔

لیکن اصولی طور سے علم کلام کو دو الگ الگ حصوں میں مدون نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس کی ضرورت پہلے بھی اور اس زمانے میں بھی شدید ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ عقلی مسلم اور غیر مسلم کی الگ الگ نوعیت کی نہیں ہوتی۔ عقلی اعتراض ایک مسلم کو بھی ہو سکتا ہے اور غیر مسلم کو بھی۔ اور اگر جواب معقول دیا جائے اور خالص عقلی طریقہ سے کسی مسئلہ کو مبرہن کیا جائے تو دونوں کے لئے یکساں طور سے مفید ہوگا۔ لیکن طریقۂ تفہیم و استدلال کے اعتبار سے ایک مسلم اور غیر مسلم میں فرق ہو جاتا ہے نیز مسلم اور غیر مسلم کے اعتراض اور شبہات میں اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے۔ مسلمان وہ اطمینان چاہتا ہے جس سے پہلے ایمان موجود ہے۔ مسلمان پہلے بہت سے ایسے اصول اسلام کے تسلیم کر چکا ہے جس کے بعد بہت سے وہ شبہات جو اس کے ذہن و دماغ میں وقتی طور سے آئے ہیں۔ معمولی سی عقلی تفہیم یا دینی اسرار و حِکَم کے ذریعہ دور ہو جاتے ہیں یہاں بنیاد الہام و وحی ہے۔ دلائل عقلیہ اس کی تائید میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ غیر مسلم کے لئے بنیاد ہی عقل اور دلائل عقلیہ ہیں اس کا ایمان و ایقان دلائل پر موقوف ہوتا ہے اس لئے اور بہت سے دیگر مصالح کی وجہ سے علمِ کلام برائے مسلم اور علم کلام برائے غیر مسلم کی بنیادی تقسیم کے ساتھ اگر عصری کلام کو مرتب کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ دونوں قسم کے علم کلام میں اصولی فرق ہو جاتا ہے۔

آپ غور کریں اگر مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے ایک ہی طریقہ اختیار کیا جائے تو اس کا نتیجہ بدیہی ہوگا جو آج علمِ کلام قدیم کے متعلق ہمارے سامنے ہے اور ہمارا خیال ہے کہ قدیم زمانے میں جو کچھ متکلمین و محدثین کے درمیان غلط فہمیاں اور اختلافات ہوئے ان کی بنیادی وجہ یہ اختلاطِ طرق ہے اگر ہم دونوں کا طریقہ الگ الگ قائم کرکے دونوں سے ان کے محل و مصرف کے مطابق کام لیں تو کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

علمِ کلام کا وہ حصہ جو غیر مسلموں کے لئے ہو وہ خالص عقلی دلائل اور تحقیقاتِ جدیدہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدد سے اس طرح آراستہ کیا جائے کہ اصل تعلیم اسلام او رمسئلے میں بھی کوئی فرق نہ آنے پائے۔ مقصود بھی مسئلے کو توڑ موڑ کر یا اصولِ اسلام میں تراش خراش کرکے مسائل واصول اسلام کو وقت کے مطابق بنانا نہ ہو بلکہ اصل مسئلے اور اصول کو اپنی اصلی حالت پر قائم رکھ کر دلائل عقلیہ اور تحقیقات جدیدہ کی روشنی میں اثبات ہو۔ اس حصۂ کلام کو عصری تبلیغی علم کلام سے موسوم کیا جائے۔ بہرکیف اس حصۂ علم کلام میں عقلیات اور تحقیقات کا غلبہ ہوگا۔ اور علم کلام کا وہ حصہ جو مسلمانوں کے لئے ہو۔ اس میں غلبہ دلائل سمعی اور شرعی کا ہو لیکن دلائل عقلیہ ثانوی حیثیت رکھیں۔ اسرارِ دین اور حِکَمِ شرعیہ کو فاش کیا جائے۔ اس کا نام عصری تفہیمی علمِ کلام رکھا جائے۔ اس میں علم اسرارِ دین کو شامل کرکے پراثر بنایا جائے۔ غالباً تفہیمات یا تفہیم کا لفظ اس خصوص میں اہلِ علم کے لئے نیا نہ ہوگا۔

ہم نے عصری علم کلام کی تدوین وترتیب کے طریقے کا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔ اور اس کی دو حصوں میں بنیادی تقسیم بتائی ہے۔ اس طریقہ کار سے علم کلام کو مفید ترین اور زندہ کیا جاسکتا ہے۔ اور سینکڑوں پیچیدہ اور دشوار مباحث واختلافات کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ علم کلام قدیم عصری علمِ کلام کی تدوین وترتیب میں بہت بڑی بنیادی مدد دے گا۔ بہت سے مباحث ہم کو لب ولہجے اور طریقۂ تفہیم ودرس میں تجدید پیدا کرنے کے بعد تیار اور بنے بنائے ملیں گے۔ محنت اور وقت دونوں میں بچت کے ساتھ منزلِ مقصود کا سفر مختصر اور آسان ہوجائے گا۔ اور جدید متکلمینِ اسلام اور قدیم متکلمین دونوں سے ہم کو بڑی مدد ملے گی۔ بڑا کام ان مباحث کا احتیاط کے ساتھ انتخاب اور عمدہ جدید ترتیب وتدوین ہے اور یہ ہی ہمارا مقصد عصری علمِ کلام سے ہے۔ عنوانِ عصری علمِ کلام۔ ہم نے بہت غور وخوض کے بعد اختیار کیا ہے اور جدید علمِ کلام سے پرہیز کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ارباب نظر اور صاحبانِ ذوق غالباً اس کو پسند فرمائیں گے۔

عصری علم کلام کی بنیاد آپ سنجیدگی سے غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے یہ ایک حقیقت ہے کہ علمِ کلام کی اساس مذہب اسلام کے اس دعوی پر قائم ہے کہ وہ

"معقول اور فطری مذہب ہے"

یعنی مذہب اسلام اور اس کے اصول واحکام عقلِ سلیم کے مطابق اور قابلِ فہم ہیں۔ اور فطری قوتوں کے اقتضاء کے مطابق ہونے کی وجہ سے انسانی فطرت کے خلاف نہیں۔ وہ مذہب جو بلا تخصیصِ نسل وملک تمام نوعِ انسان کی رہنمائی کے لئے آیا ہو معقول اور فطری ہی ہوسکتا ہے۔ غیر فطری مذہب فطرت انسانی کے لئے ایک بوجھل زنجیر اور جبری حکم ہوتا ہے اور یہ ہی حال اس مذہب کا ہوتا ہے جو عقلِ سلیم کے غیر مطابق اور ناقابلِ فہم ہو اس کا جبری مذہب ہونا بدیہی ہے۔ اسلام کا یہ دعوی قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے جو اس مذہب کی تعلیمات اور اصول کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اساس ہیں۔ لیکن اس دعوی کے ساتھ ہی کہ اسلام عقلِ سلیم کے مطابق اور فطری مذہب ہے۔ ہمارے سامنے وہ تمام اعتراضات اور شکوک آجاتے ہیں جو عقل انسانی کی طرف سے اس مذہب کے احکام اور اصول پر کئے جاتے ہیں یا خود مسلمان یا غیر مسلم کے دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ شکوک و شبہات ایمان و اطمینان کی دنیا کے دشمن ہیں۔ ان کی تخصیص کسی مسلم دماغ یا غیر مسلم دماغ سے نہیں کی جاسکتی یہ جس طرح بعض اوقات ایک مسلم کے دل و دماغ کو پراگندہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک غیر مسلم کو مذہبِ اسلام کے متعلق بڑی بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا رکھکر رہنمائی اور ہدایت سے بھی روک سکتے ہیں۔ بلکہ دشمن بنا کر قوموں کو باہمی فتنوں اور فسادوں میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اس لئے علم کلام ایک طرف تو اپنے اس دعویٰ کی تفہیم اپنی تعلیم سے کرتا ہے کہ اسلام معقول اور فطری مذہب ہے۔ اس کی نشات کسی ناروا عصبیت اور بے جا تخصیص کے تحت نہیں ہوئی۔ دوسری طرف ان اعتراضات اور شکوک کو رفع کرتا ہے۔ جو غلط طور پر عقلِ سلیم کے آڑے آگئے ہیں اور جن سے یہ ایقان مجروح ہوتا ہے کہ اسلام عقلِ سلیم کے مطابق اور فطری مذہب ہے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ کھرے اور کھوٹے اچھے اور برے کو سمجھنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کو نورِ عقل دیا ہے۔ لیکن اس نور کو بجھانے اور مقابلے کے لئے شکوک و شبہات اور اعتراضات کی ظلمت بر سرِ پیکار ہے۔ یہ ظلمت ایمان و اطمینان کی دشمن ہے فتنوں اور جہالتوں کی پرورش کرتی ہے اس لئے رہنمائی اور سچائی کے متلاشی کے لئے علمِ کلام کی ضرورت زندگی کی دوسری تمام ضرورتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ علمِ کلام کی اس اساس اور بنیاد کا قرآنِ کریم پر غور و خوض کی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے اور پھر اس کی اہمیت اور ضرورت کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔

علم کلام کی اساس قرآن کریم کی روشنی میں

مذہب اسلام نے نورِ عقل سے کام لینے کی ہدایت کی ہے اور تدبر و تفکر کی دعوت قرآن کریم نے جا بجا دی ہے۔ توحید عبادت نبوت حشر و نشر کو دلائل عقلیہ سے سمجھایا ہے۔ ان لوگوں کو جنھوں نے عقل کی آنکھ بند کر لی ہے اور محض آبا و اجداد کی کورانہ تقلید پر ضد اور اصرار کرتے ہیں سخت برا کہا ہے۔ اس قسم کے مضامین کلام اللہ میں اس کثرت و تنوع کے ساتھ موجود ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔

الحمد للہ کے ساتھ ہی رب العلمین کہکر اُن دیکھے خدا تک رسائی کا ذریعہ عقل ہی کے توسط سے سمجھ میں آتا ہے۔ تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے آخر کیوں۔ یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہے جبکہ دنیا کی ہر خوبصورت۔ کمال والی چیز کی تعریف کی جاتی ہے اس لئے تعریفیں تو لاکھوں کروڑوں اشیاء کے لئے ہیں صرف خدا ہی کی تعریف کہاں رہی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقل ہی رازدار ہے کہ رب العالمین کہکر ایک ایسی ذات کی طرف متوجہ فرمایا جو دنیا کے تمام کمالات کا سرچشمہ ہے اور ہر چیز کی بقا اور حیات کی پرورش کر رہی ہے۔ آخر خوبصورت برتن عمدہ قسم کی مٹی کی تعریف، کاریگر اور اس مٹی کے بنانے والے، اس کی پرورش کرنے اور اس کی بقا کا سامان مہیا کرنے والے کی تعریف نہیں تو اور کس کی ہے؟ ہاں الفاظ و عبارتیں بہت ہیں اور ظاہر بیں اور سطحی نظر سے مطالعہ کرنے والے کے لئے قابلِ تعریف چیزوں کی کثرت ہے لیکن مفہوم و معنی تو ایک ہی ہیں اور اس کثرت ظاہری کے پیچھے وہ ہی ایک حقیقت اور راز پوشیدہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین تعریف صرف اسی ذات کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ پھر یہ سوال کہ آخر وہ ذات جس کے لئے تعریف خاص ہے کہاں ہے؟ جس کو تم اللہ کہتے ہو کون ہے؟ کیا انسانی فطرت کی اس تشنگی کو عقل ہی کے ذریعے نہیں بجھایا گیا کہ وہ رب العالمین ہے۔ تم اللہ نہ کہو یہ تمہاری ضد ہے، خدا نہ کہو ہٹ دھرمی ہے۔ لیکن کیا تمہاری توانائی میں ہے کہ کائنات کے سلسلہ کی جو پرورش ہو رہی ہے روز روشن سے زیادہ نمایاں اس حقیقت کا انکار کر سکو۔

ذرے سے لیکر ہمالیہ پہاڑ تک، قطرے سے لیکر سمندر تک، پتھر سے لیکر انسان تک غرض زمین و آسمان کی تمام کائنات کے وجود اور وجود کی بقا کے سامان اور قدرت و فطرت کے محکم انتظامات کا انکار کیا انسان کر سکتا ہے؟ علوم و فنون کی تمام طاقتیں دنیائے سائنس و فلسفے کی تمام توانائیاں کیا سلسلۂ ربوبیت کا انکار کر سکتی ہیں؟ اگر نہیں تو نورِ عقل ہی کو تو دعوت دی گئی ہے کہ غور و خوض کرے کہ رب العالمین کون ہے۔ عقل ہی نے تو ہمیں سمجھایا کہ اس پروردگار کائنات کا نام قرآن نے اللہ رکھا ہے۔

قرآن کریم نے تمام بنی نوعِ انسان کو خطاب کیا۔ یا ایہا الناس اعبدوا اے بنی نوعِ انسان عبادت کرو لیکن کیوں عبادت کریں۔ کس کی عبادت کریں۔ ان سوالات کا حل ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون نے عقل اور دلائل عقلیہ ہی سے تو کیا ہے یعنی کائنات کے پروردگار کی جس نے تم کو اور تمہارے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے جن کی تم نسل ہو عبادت کرو۔ لعلکم تتقون ہی نے تو اس سوال کا جواب دیا کہ کیوں عبادت کریں۔ عبادت سے ہماری اس زندگی میں کونسا گوہر مقصود حاصل ہوگا۔ یعنی عبادت سے تم متقی ہو جاؤ گے۔

متقی ایک خاص لفظ ہے اس کے معنی میں حیرت انگیز اور عجیب و غریب وسعت ہے۔ زبانِ اردو کا معمولی استعمال شدہ متقی ہی نہیں بلکہ اس مفہوم سے کہیں زیادہ اس لفظ کے دامن میں معانی پوشیدہ ہیں۔ حقائق چھپے ہوئے ہیں۔ اپنے محسن، اپنے خالق کی شکرگزاری انسانی فطرت کو جو نکھار اور حسن قسم کا جوہر عطا کرتی ہے اس کو متقی کا لفظ ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے۔ غرض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآنِ کریم کا لفظ لفظ اس قسم کے عقلی ربط کو اسلامی احکام سے اس طرح وابستہ بتاتا ہے کہ احاطہ ممکن نہیں۔

یہ تو ایک سادہ ربط تھا جس کو علومِ عقلیہ، منطق و فلسفے کے مقدمات و نظریات سے جو الجھی ہوئی اصطلاحات معلوم ہوتی ہیں۔ تقریبی وحدت کا تعلق محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن قرآنِ کریم میں لو کان فیہما الھۃ الا اللہ لفسدتا سے توحید کی فنی عقلی دلیل کا ذکر واضح طور سے سمجھ میں آتا ہے ان کنتم فی ریب، مما نزلنا علی عبدنا فاتو بسورۃ من مثلہ سے نبوت پر فنی عقلی دلیل کی شہادت ملتی ہے۔ قل یحییہا الذی انشأھا اول مرۃ سے حشر و نشر یا معاد پر فنی عقلی دلیل کا ثبوت ظاہر ہے۔

غرض مذہبِ اسلام نے احکام و اصول میں عقل کو اچھوت نہیں قرار دیا بلکہ اس کے احکام سے اس امر کی توثیق ہوتی ہے کہ وہ معقول و فطری مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کی فضیلت پر اسلام نے زور دیا ہے جن میں عقلی مطالب ہیں۔ سورۂ اخلاص۔ آیۃ امن الرسول اور آیۃ آیۃ الکرسی کی جس قدر فضیلت ہے ظاہر ہے وہ آیتیں جن میں احکامِ شریعت (جزئیات ہیں) چھ سو آیتوں سے بھی کم ہیں باقی تمام قرآن۔ توحید و نبوت کے عقلی ثبوت اور بت پرستی اور شرک کی عقلی مذمت پر مشتمل ہے۔ صانعِ عالم یا خدا کے وجود کے دلائل سے تو قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔ نیز ملائکہ اور انبیاء کرام کی زبان سے قرآنِ کریم نے دلائلِ عقلیہ کو اکثر جگہ بیان کیا یا حکایت کی ہے۔

غرض اگر اس بنیاد و اساس کے لحاظ سے غور کریں تو ہر وہ مسئلہ اور اصول جو شکوک و شبہات سے پاک نہ ہو بلکہ اپنے دامن میں اعتراضات اور غلط فہمیاں لئے ہوئے ہو، علمِ کلام کی حدود میں آجاتا ہے۔ عصری علمِ کلام کی یہی اساس ہے اور اس اساس کا ثبوت ہم کو قدماء میں ملتا ہے غیر مسلموں کو تبلیغ ہو یا مسلمانوں کو تفہیم۔ خالص عقلی بحثیں ہوں یا علم اسرار دین سب ہی علم کلام کے سمندر میں ضم ہو جاتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے موجودہ دور میں علمِ کلام کی بے پایاں وسعت کو آپ محسوس کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com